اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے نظامِ قدرت میں قضا و قدر کو اسباب سے وابستہ کر دیا ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۵؍مارچ ۱۹۷۶ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:-

کیا قضا و قدر کے مسئلے کے نتیجہ میں انسان کی زندگی میں جبر پایا جاتا ہے اور وہ صاحبِ اختیار نہیں رہتا؟ عام طور پر عیسائی یہ اعتراض کرتے آئے ہیں کہ چونکہ اسلام نے تقدیر پر اور قضا و قدر پر ایمان لانے کی تعلیم دی ہے اسلئے اسلام جبر کا قائل ہے اور انسان کو صاحبِ اختیار نہیں سمجھتا اور اگر انسان صاحبِ اختیار نہیں ہے تو پھر جزا سزا اور دوسرے مسائل خود بخود ساقط ہو جاتے ہیں۔ جنت کس کو ملے گی اور کس کو نہیں ملے گی، یہ سوال ہی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ اگر ہر فعل انسان نے بامرِ مجبوری کرنا ہے اور اپنے عمل میں وہ صاحبِ اختیار نہیں ہے تو پھر اس کو اجر کیسا اور ثواب کیسا لیکن غیر مذاہب اور خصوصاً عیسائیت ہی نہیں بلکہ اسلام کی طرف منسوب ہونے والوں میں سے بھی بعض اس مسئلے کو صحیح طور پر نہیں سمجھتے آئے اور اُمّت مسلمہ کے اندر اِس قسم کے گروہ پیدا ہوتے رہے ہیں جو اس بارہ میں شکوک وشبہات میں مبتلا رہتے رہے چنانچہ اس وقت میں قضا و قدر اور جبر کے مسئلے پر کچھ کہوں گا انشاء اللہ۔

میں نے پچھلے خطبہ میں بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے سلسلۂ نظامِ قدرت میں قضا و قدر کو اسباب سے وابستہ کر دیا اور باندھ دیا ہے سلسلۂ نظامِ قدرت سے مراد وہ قوانین قدرت ہیں جو ہمیں اِس کائنات میں جلوہ گر نظر آتے ہیں اور مَیں نے بتایا تھا کہ قوانین قدرت نہایت

ہی حکیمانہ آثارِ صفات کا نام ہے۔ گویا سُنّت اللہ یا عادت اللہ ہی کو قوانینِ قدرت کہا جاتا ہے اور نظامِ قدرت کا جو سلسلہ ہے اس میں ہمیں اسباب کام کرتے نظر آتے ہیں یعنی خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے اپنی صفات کے آثار کو اس طرح پر ظاہر کیا ہے کہ اس نے کچھ اسباب مقرر کئے ہیں جن سے نتیجہ نکلتا ہے اور اِس کائنات میں بنیادی طور پر تدریج کا اصول قائم کیا گیا ہے مثلاً آم کی گٹھلی ہے وہ زمین میں لگائی جاتی ہے، اگر اس کو اسباب میسر آجائیں تو وہ زندہ رہتی ہے اور اگر اسباب میسر نہ آئیں تو اس گٹھلی سے جو آم کا درخت پھوٹا ہے وہ اپنی ابتدائی عمر میں ہی مرجاتا ہے۔ پھر اگر اسباب میسر آتے رہیں تو وہ درخت بڑھتا رہتا ہے، پھر اسباب میسر آتے رہیں تو ایک خاص عمر کو پہنچ کر جو تقدیر میں مقدّر ہے اس کے شگوفے نکلتے ہیں، پھول آتے ہیں اور وہ پھل دینے لگ جاتا ہے پھر وہ ایک خاص عمر تک پھل دیتا رہتا ہے۔ پھر ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں کہ اُس آم کی عمر ڈھلنے لگتی ہے اور پھل کم ہونے لگتا ہے اور ٹہنیوں میں خشکی کے آثار آنے لگتے ہیں اور زندگی کی طراوت کم ہونی شروع ہوتی ہے اور پتّوں کا حُسن ماند پڑنے لگ جاتا ہے اور پھر ایک عمر گزار کے وہ درخت مرجاتا ہے۔ پس اس کائنات میں تدریج کا اصول اور اسباب مقرر ہیں اور اس کو ہم قانونِ قدرت کہتے ہیں اور قضا وقدر کو ان اسباب کے ساتھ باندھ دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:-

خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا (الفرقان:۳) ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور اس کے لئے ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے۔ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ اندازوں سے تو کوئی چیز باہر نہیں جاسکتی لیکن خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ اندازوں کے اندر رہتے ہوئے اور ان کے مطابق ہی زندگی Unfold ہوتی ہے اس کے خفیہ خواص ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ ایک بالکل چھوٹے سے بیج یا گٹھلی سے زندگی شروع ہوتی ہے اور پھر وہ نشو ونما پاتی ہے۔ اسی گٹھلی کے اندر یہ انتظام ہے کہ ہزاروں بلکہ شاید لاکھوں پتے اپنے اپنے وقت کے اوپر نکلتے ہیں مثلاً آم کے درخت کے سارے پتے ایک موسم میں یا ایک سال میں تو نہیں نکل آتے بلکہ کچھ جھڑتے ہیں اور کچھ نکلتے ہیں۔ اس کے کچھ اسباب ہیں اور اس کی کوئی علل ہیں اور یہ ان کے معلول بن

جاتے ہیں اور اسی طرح ایک سلسلہ چلتا ہے۔

میں نے پچھلے خطبے میں دعا کے سلسلے میں ایک اور رنگ میں اس کے متعلق بتایا تھا۔ آج میں جبر کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا میں یہ بتایا گیا ہے کہ خداتعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے اس اندازہ کی وجہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انسان صاحب اختیار نہیں رہا بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے اختیارات ایک اندازہ کے مطابق ہیں اور وہ اپنے اختیارات میں اس اندازہ سے باہر نہیں جاسکتا اور اس کو یہ اختیارات دینا بھی کہ اس دائرہ کے اندر انسان آزاد ہے یہ بھی خداتعالیٰ کی تقدیر ہے۔

جب خداتعالیٰ نے انسانی فطرت کا اور انسانی خو کا اندازہ کیا تو اس کا نام اس نے تقدیر رکھا جس کا اِس آیت میں ہمیں علم دیا گیا ہے اور اندازہ یہ ہے کہ فلاں حد تک انسان اپنے اختیارات برت سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔ بڑی موٹی چیز ہے۔ بچے بھی اس کو سمجھ جائیں گے کہ ہمیں یہ اختیار نہیں ہے کہ ہم ہوا کے بغیر زندہ رہ سکیں۔ ہم سانس روک لیں اور سانس لیں ہی نہ اور پھر بھی زندہ رہ سکیں یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ اسی طرح ہمیں خداتعالیٰ نے یہ اختیار نہیں دیا کہ ہم پانی نہ پئیں اور اپنی حیات کو قائم رکھ سکیں کیونکہ پانی کو ایک سبب اور علت بنایا گیا ہے۔ خداتعالیٰ کی قدرت میں اور اس کے جو آثار الصفات ظاہر ہوئے ہیں ان کے اندر پانی کو حیات کے قائم رکھنے کا ایک سبب بنایا گیا ہے۔ قرآن شریف نے اس پر دوسری آیات میں روشنی ڈالی ہے۔ پھر غذا ہے ہمارے علم میں ماریشس کی بعض بڑی تیز مرچیں بھی آئی رہی ہیں۔ خداتعالیٰ نے تمہیں یہ اختیار نہیں دیا کہ تمہارے معدے میں سوزش ہو اور پیچش کی وجہ سے انتڑیوں میں خراش آئی ہوئی ہو اور تم ماریشس کی ایک چھٹانک تیز مرچیں کھالو اور تمہیں تکلیف نہ ہو تمہیں یہ اختیار نہیں ہے۔

پس ہماری زندگی کے جو عام اصول ہیں ان میں یا ہمارے کھانے پینے کی جو چیزیں ہیں ان میں ہمیں یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ ہم غلط چیز استعمال کریں اور ہمیں صحیح نتیجہ مل جائے۔ البتہ ہمیں یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر ہم اپنی صحت کو قائم رکھنا چاہیں تو خداتعالیٰ کی تقدیر کے مطابق

اور اس کی ہدایت کے مطابق متوازن غذا کھائیں کیونکہ غذا کا صرف ایک جزو نہیں ہے کہ صرف نشاستہ ہے یا صرف پروٹینز (یعنی لحمیات) ہیں بلکہ بہت ساری چیزیں ہیں۔ مثلاً گوشت کی قسم کی جو پروٹینز ہیں ان کی پھر آگے کئی قسمیں ہیں۔ پروٹین ہمیں گوشت سے ملتی ہے، پروٹین ہمیں دودھ سے ملتی ہے، پروٹین ہمیں پنیر سے ملتی ہے، پروٹین ہمیں اخروٹ سے اور دوسرے Nuts یعنی گریوں وغیرہ سے ملتی ہے مثلاً بادام پستہ اور درجنوں اس قسم کی چیزیں ہیں۔

ڈاکٹر اب اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہمیں خدا تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق پروٹین میں بھی ایک توازن قائم رکھنا چاہیئے۔ خدا کو تو وہ نہیں جانتے۔ یہ فقرہ مَیں کہہ رہا ہوں۔ بہرحال ڈاکٹر یہ کہتے ہیں کہ انسان نے اگر صحت مند رہنا ہے تو اس کو اپنی روزانہ کی پروٹین کی مقدار میں بھی آگے یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ اتنے فیصد میں گوشت سے حاصل کروں گا (گوشت کی آگے پھر کئی قسمیں بن جاتی ہیں مچھلی وغیرہ لیکن اس کو میں چھوڑتا ہوں) اور اتنے فیصد مَیں پنیر سے حاصل کروں گا اور اتنی دودھ سے لوں گا اور اتنی بادام وغیرہ سے لوں گا اور اتنی میں Legumes یعنی دالوں سے لوں گا۔ دالوں میں سے کسی میں کم پروٹین ہوتی ہے اور کسی میں زیادہ۔ بہرحال خدا تعالیٰ کی شان ہے اس نے بے تحاشا چیزیں بنا دیں اور ہمیں کہا کہ وَضَعَ الْمِيْزَانَ ۙ﴿۸﴾ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ (الرحمٰن:۸۔۹) کہ اس نے میزان پیدا کیا ہے اور تمہیں حکم یہ ہے کہ اس اصول میزان کو اس بیلنس (Balance) کو توڑنا نہیں۔ اب انگریزوں نے بالکل اسی لفظ کا ترجمہ استعمال کرنا شروع کر دیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں Balanced Diet یعنی متوازن غذا۔ قرآن کریم نے چودہ سو سال پہلے کہا تھا کہ خدا نے ہر چیز میں میزان بنایا ہے اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ تمہیں حکم یہ ہے کہ اس اصول کو نہ توڑنا، اس بیلنس (Balance) کو Upset نہ کر دینا ورنہ تمہاری صحتیں خراب ہو جائیں گی۔

پس ہمیں یہ تو اختیار ہے کہ ہم متوازن غذا کھائیں، وزن کو برقرار رکھیں اور ہمیں ٹھیک صحت مل جائے یا ہم اس اصول کو توڑیں اور بیمار ہو جائیں۔ اِذَا مَرِضْتُ (الشعراء:۸۱) میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان خود بیمار ہوتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی شفا کے لئے جھکتا ہے لیکن ہمیں یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ ہم گوشت کھائیں اور ہماری خواہش یہ ہو کہ ہمیں نشاستہ مل

جائے اور ہمیں یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ ہم کھائیں پنیر اور یہ سمجھیں کہ ہمارے جسم میٹھے کا فائدہ حاصل کر لیں۔ یہ بات ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ وہاں خدا تعالیٰ نے اپنا قانون چلایا ہے۔

پس ایک دائرہ کے اندر اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیار دیا ہے۔ جب انسان کی فطرت کو پیدا کیا گیا تو اس فطرت کے اندر یہ اندازہ تھا اور یہ قضا و قدر تھی کہ اس دائرہ کے اندر انسان کو آزاد رکھا جائے گا۔ تو تقدیر میں جبر نہیں ہے یعنی خدا تعالیٰ کا خلق کا یہ جلوہ کہ اس نے انسان کو پیدا کیا اور اس کی خُو اور فطرت کا ایک اندازہ کیا یہ اس کی تقدیر ہے اور یہ اس کا اندازہ ہے۔ یہ تقدیر جبر نہیں ثابت کرتی بلکہ اسلامی تعلیم کی روشنی میں یہ تقدیر انسان کے اختیار کو ثابت کرتی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ میں نے ہر چیز کا اپنا ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے۔ انسانی فطرت کی آزادی اور اس کے جو اختیارات ہیں یہ تقدیر نے اس کو دیئے ہیں اپنی طرف سے وہ انہیں حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ کائنات میں ایک حکم جاری کرے اور انسان کہے کہ نہیں میں ایک دوسرا حکم جاری کروں گا۔ انسان خدا تعالیٰ سے لڑنے کی قدرت نہیں رکھتا لیکن بعض دفعہ انسان اپنی حماقت یا جہالت کے نتیجہ میں یا اس کے اندر شیطانی خو جوش مارتی ہے اس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ سے لڑ پڑتا ہے لیکن اس کا اثر وہ نہیں نکلتا جو وہ چاہتا ہے کہ نکلے۔ پس انسان کو آزاد رکھنا اور اس کو اختیار دینا خدا تعالیٰ کی تقدیر کا حصہ ہے اور اس نظام قدرت میں جو قوانین قدرت چل رہے ہیں ان میں قضا و قدر کو اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ نے اسباب کے ساتھ وابستہ کر دیا اور باندھ دیا ہے۔

خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا کی یہ تفسیر جو میں بتا رہا ہوں یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تفسیر قرآنی کے متعلق ہمیں بہت سے اصول بتائے ہیں ان کی تفصیل میں تو مَیں نہیں جاؤں گا وہ علیحدہ مضمون ہے۔ ایک بات آپ نے یہ بتائی ہے کہ قرآن کریم خود اپنا مفسّر ہے یعنی اپنی تفسیر خود قرآن کریم کر رہا ہے۔ چنانچہ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا کے یہ معنی کہ خدا تعالیٰ نے اپنی تقدیر سے اور اپنی قضا و قدر سے انسان کو صاحب اختیار بنا دیا ہے یہ معنی دوسری آیات سے وضاحت کے ساتھ ثابت ہونے چاہئیں۔ اگر قرآن کریم میں کسی اور جگہ بڑی وضاحت کے ساتھ اس کی

ضد ہو تو پھر یہ تفسیر غلط ہو جائے گی۔ پس قرآن کریم اپنی صحیح تفسیر کے لئے کسی غیر کا محتاج نہیں ہے بلکہ یہ اپنی آیات کی خود تفسیر کرتا ہے۔ یہ ایک عظیم کتاب ہے۔

دیکھو! قرآن کریم نے ایک جگہ فرمایا لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى۔ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى (النجم: ۴۰۔۴۱) کہ اجر حاصل کرنے کے لئے عمل کرنے کی ضرورت ہے انسان کو وہی ملتا ہے جس کے لئے وہ کوشش کرتا ہے اور ایک جگہ فرمایا ہے فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (الصف: ۶) بعض لوگ اس پر اعتراض کر دیتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ نے ان کے لئے گمراہی کا انتظام پیدا نہیں کیا۔ خدا تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے کہ جب انہوں نے حق سے روگردانی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں جو حق کی مناسبت رکھی تھی اس مناسبت کو زائل کر دیا اور وہ ان کے اندر نہیں رہی اور یہ قانون قدرت ہے کہ جو آدمی بدی کرتا ہے اور بدی پر اصرار کرتا ہے وہ بدی کی نفرت کو کھو دیتا ہے اور اس کے اندر اس کو خوشی اور لذت محسوس ہوتی ہے اور یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ اس کی ظاہری اور موٹی مثال یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے قانون قدرت میں سورج کو روشنی دینے کے لئے بنایا ہے لیکن انسان کے لئے اس نے یہ قانون بنایا ہے کہ اگر وہ کھڑکیوں اور دروازوں والے کمرے بنائے تو اگر وہ دن کے وقت کھڑکیاں دروازے کھلے رکھے یا ان پر شیشے لگے ہوئے ہوں تو کمرے کے اندر روشنی آئے گی۔ ہم ایسے دروازے لیتے ہیں جن میں شیشے وغیرہ نہیں لگے ہوئے تو اگر دروازے کھلے ہوں گے تو کمرے میں روشنی آئے گی۔ یہ قانون قدرت ہے اور اگر کوئی شخص اپنے کمرے کے دروازے بند کر دے اور شیشہ وہاں کوئی نہیں لگا ہوا تو وہاں پر اندھیرا ہو جائے گا۔ یہ قانون قدرت ہے۔ ہر فعل جو انسان سے صادر ہوتا ہے وہ اس کی مرضی سے ہوتا ہے۔ اب وہ صاحب اختیار ہے کہ چاہے تو اپنے کمرے کا دروازہ بند کرے اور چاہے تو اپنے کمرے کا دروازہ بند نہ کرے اس کو یہ اختیار حاصل ہے لیکن جب وہ دروازہ بند کرتا ہے تو اس کے اس فعل پر کہ اس نے سب دروازے اور کھڑکیاں بند کر دیں اور وہاں کوئی شیشہ بھی نہیں لگا ہوا اللہ تعالیٰ ایک اثر پیدا کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہاں پر اندھیرا کر دیتا ہے۔ یہ انسان کا فعل ہے کہ اس نے دروازے کھڑکیاں بند کر دیں اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ اثر پیدا کیا کہ وہاں پر اندھیرا کر دیا۔

اسی طرح اندھیرے کمرے میں کھڑکیاں دروازے کھولنے کا عمل انسان کا ہے اور اس کے بعد جو روشنی ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے قانون قدرت کے مطابق ہوتی ہے۔

پس انسان اپنے دائرہ میں صاحب اختیار ہے اور انسان کا یہ اختیار اور انسان کی یہ آزادی قضا و قدر ہے یعنی خدا تعالیٰ نے یہ فیصلہ کیا اور یہ اندازہ قائم کیا اور مقرر کیا ہے کہ اس حد تک نوع انسانی اپنے دائرہ میں آزاد رہے گی اور نوعِ انسانی کا ہر فرد اپنے اپنے دائرہ استعداد میں آزاد رہے گا۔

ہر انسان کا دائرہ استعداد مختلف ہے مثلاً ہر انسان علم کے حصول میں ایک جیسی ترقی نہیں کر سکتا۔ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى کا اصول تو یہ ہے کہ اجر کے حصول کے لئے تمہارا عمل ضروری ہے اگر تم عمل نہیں کرو گے تو تمہیں اجر نہیں ملے گا۔ اس میں جبر کہاں سے ہوا؟ بالکل پوری طرح آزادی کا اعلان کر دیا ہے لیکن ہر شخص دوسرے شخص جیسا اور اتنی عقل والا عمل نہیں کر سکتا۔ ہر ایک کا اپنا ایک دائرۂ استعداد ہے جو بڑے بڑے موجد ہیں ان کی استعداد اور ہے مثلاً جس نے ایٹم کی طاقت کا علم حاصل کیا (گو اب اسے غلط طرف لے گئے ہیں) اس شخص کو خدا تعالیٰ نے اتنی ذہنی طاقت دی تھی کہ وہ اس میدان میں یہ چیز ایجاد کر لیتا یہ ہر شخص کا کام نہیں تھا لیکن یہ طاقت اور قوت اس کو خدا تعالیٰ نے دی تھی۔ پس تقدیر کو جس معنی میں قرآن کریم استعمال کرتا ہے اس میں موٹی بات یہ ہے کہ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا میں تقدیر کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے اور یہ تقدیر خدا تعالیٰ کی عطا کردہ قوتوں کو ضائع نہیں کرتی کیونکہ وہ خود اسی نے دی ہیں۔ البتہ ان قوتوں کی تعیین اور حد بندی اور اندازہ کر کے ان کو ایک دائرہ استعداد کے اندر رکھ دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور اس دائرے کے اندر انسان کو اختیار ہے۔ ہر انسان ولایت کے اعلیٰ مقام پر پہنچ نہیں سکتا۔ خدا تعالیٰ کا نیک بندہ اپنے دائرۂ استعداد میں خدا تعالیٰ کے پیار کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے اور اسے پا بھی لیتا ہے۔ یہ تو درست ہے لیکن ہر انسان کا استعداد کا دائرہ ایک جیسا نہیں ہوتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نوع انسانی میں سب سے زیادہ اور عظیم استعدادوں کے حامل بنا کر پیدا کئے گئے تھے جیسا کہ خدا تعالیٰ کے کلام سے ہمیں پتہ لگتا ہے نہ آپ سے

پہلے کسی ماں نے اتنی عظیم استعدادوں اور طاقتوں اور صلاحیتوں والا بچہ پیدا کیا اور نہ آئندہ پیدا کرے گی۔ اسی وجہ سے قرآن عظیم جیسی کتاب آپ پر نازل ہوئی اور رحمۃ للعالمین کی حیثیت سے آپ دنیا کی طرف مبعوث کئے گئے۔ یہ آپ ہی کی استعداد تھی اور اتنی عظیم استعداد کے مالک نے ہمیں یہ بھی کہا کہ دین العجائز اختیار کیا کرو کیونکہ ایک گروہ ایسا ہے جو اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ پس زیادہ گہرائیوں میں نہ جایا کرو جو تمہیں حکم ہے وہ کرو اور تمہاری استطاعت کے مطابق یعنی جتنی تم میں ثواب حاصل کرنے کی طاقت اور قوت ہے اس کے مطابق تمہیں ثواب مل جائے گا ورنہ اگر تم اپنی طاقت سے آگے جاؤ گے تو شیطان کے لئے رستے کھل جائیں گے جیسا کہ اگر ایک شخص کے معدے کو اللہ تعالیٰ نے دو چھٹانک آٹا ہضم کرنے کی طاقت دی ہے اور وہ ایک سیر کھالیتا ہے تو بدہضمی ہو جائے گی اور اگر کسی کے معدے کو آدھ سیر آٹا کھانے کی طاقت ہے جیسا کہ عام طور پر ہمارے زمینداروں کے معدوں کو یہ طاقت ہے تو اگر وہ دو چھٹانک کھائیں گے تو وہ کمزور ہو جائیں گے اگر وہ دو سیر کھالیں گے تو وہ بھی خرابی پیدا کرے گا اور بدہضمی ہو جائے گی۔ اسی طرح انسان کی ظاہری زندگی میں ہم ہزاروں مثالیں ایسی دے سکتے ہیں کہ انسان استعداد سے نہ اِدھر ہوسکتا ہے نہ اُدھر ہوسکتا ہے لیکن استعداد کے اندر اس کو آزادی ہے مثلاً اس کو یہ آزادی ہے کہ اس نے اپنی ذات کے متعلق غور کر کے، محاسبۂ نفس کر کے اپنی طبیعت اور فطرت اور عادات اور اپنے جسم کے مختلف حصوں کی طاقت کو مدنظر رکھ کر خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے جو پروگرام بنایا ہے اس پر عمل کرے اور اپنی استعداد کے مطابق خدا تعالیٰ کے پیار کو حاصل کرے اس کو یہ آزادی حاصل ہے اور اسی کو ہم تقدیر کہتے ہیں یعنی انسان کو صاحب اختیار بنانا اور اس کو آزادی دینا یہ الٰہی تقدیر ہے۔ اس نے یہ چاہا کہ ایسا ہو فَقَدَّرَہٗ تَقۡدِیۡرًا اگر اللہ نہ چاہتا تو انسان کبھی آزاد نہ ہوتا۔

انسان کے بارے میں تقدیر اور اندازے کے متعلق قرآن کریم میں بیسیوں آیات ہیں پہلے مجھے خیال آیا کہ میں ایسی تیس آیات منتخب کر کے انہیں اس خطبے کا حصہ بنا دوں لیکن پھر میں نے سوچا کہ پہلے میں اصولی بات ذہن نشین کرانے کی کوشش کروں اور اس کے بعد دوسری

طرف آؤں۔ پس قرآن کریم ان آیات سے بھرا پڑا ہے جن سے ہمیں پتہ لگتا ہے کہ انسان کو اپنے عمل کی جزا ملے گی مثلاً ایک آیت یہ ہے کہ تم میں سے جو بھی اعمال صالحہ بجا لائے گا مرد ہو یا عورت اس کو ان کے مطابق جزا ملے گی۔ میں نے بتایا ہے کہ قرآن کریم میں بیسیوں آیات ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان مجبور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر جبر کا قانون لاگو نہیں ہے بلکہ اس کو صاحب اختیار بنایا گیا ہے اور اس کو آزادی دی گئی ہے لیکن اس کو ایک اندازے کے مطابق آزادی دی گئی ہے اور فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا میں اس کا اعلان کیا گیا ہے اور قرآن کریم ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے۔ تم میں سے کوئی شخص اپنی غفلتوں میں زندگی گزارتے ہوئے خدا تعالیٰ پر یہ الزام نہیں دھر سکتا کہ اس نے ہمیں پیار کیوں نہیں دیا حالانکہ ہم تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مہدی پر ایمان لے آئے تھے۔ تمہیں صرف یہ حکم تو نہیں دیا گیا تھا کہ ایمان لاؤ بلکہ تمہارے لئے اس دائرہ استعداد کے اندر جس میں تمہیں آزاد کیا گیا ہے ہزاروں راستے ایسے کھولے گئے تھے جن میں سے ہر راہ کو اختیار کرنے یا نہ کرنے میں تم آزاد تھے اور تمہیں کہا گیا تھا کہ اگر تم ان کو اختیار کرو گے تو تمہیں ثواب مل جائے گا اور اگر تم ان کو اختیار نہیں کرو گے تو جس حد تک تم ان راہوں کو اختیار نہیں کرتے اس حد تک تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مستحق نہیں ٹھہرو گے۔ اسی طرح ہزار ہا راستے تمہارے اوپر بند کئے گئے تھے اور کہا گیا تھا کہ یہ کام نہیں کرنے، یہ خدا تعالیٰ کو ناراض کرنے والی باتیں ہیں اگر ان ممنوعہ راہوں میں سے بعض راہوں کو تم اختیار کرو تو خدا تعالیٰ کا غضب تم پر آئے گا لیکن یہ اس لئے نہیں کہ تم مجبور ہو بلکہ اس لئے کہ تمہیں آزادی دی گئی تھی کہ تم چاہو تو ان غلط راہوں کو جو خدا تعالیٰ کے غضب اور قہر کی طرف لے جانے والی ہیں اختیار کر لو۔ تم آزاد تھے تم نے خود اپنے لئے جہنم کے سامان پیدا کر لئے لیکن اگر تم ہر غلط راہ سے بچو اور تقویٰ کی راہ کو اختیار کرو تو پھر نیکی کی راہیں تمہارے لئے آسان ہو جائیں گی۔

پس قضا وقدر کا جو مسئلہ اسلام پیش کرتا ہے بلکہ وہ انسان کو صاحب اختیار بنانے کا مسئلہ ہے وہ انسان کو ایک دائرے کے اندر آزاد رکھنے کا مسئلہ ہے وہ انسان کی دینی اور دنیوی ترقیات کی راہیں کھولنے کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ اتنا عظیم ہے کہ دنیا کا کوئی مذہب اس کے

مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتا، نہ عیسائیت نہ یہودیت اور نہ کوئی اور مذہب اور نہ کوئی عقلِ انسانی کا تراشیدہ علم اس کے مقابلے میں ٹھہر سکتا ہے۔ جس جگہ عیسائیوں نے قضا و قدر کی وجہ سے یہ اعتراض کیا کہ اسلام جبر کی تعلیم دیتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتب میں اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اس جگہ اسلام کی عظیم شان بیان کی اور اسلام کے حسن کو دنیا کے سامنے رکھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کے سمجھنے اور ہمیشہ اسے یاد رکھنے کی توفیق عطا کرے کیونکہ انسان کو بعض دفعہ شیطان اس طرح بھی ورغلاتا ہے کہ انسان خود گناہ کرتا ہے لیکن کہتا ہے کہ کیا کریں بس تقدیر تھی اس لئے گناہ ہو گیا۔ خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ مقدر نہیں کیا کہ تم گناہ کرو بلکہ خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ مقدر کیا ہے کہ چاہو تو گناہ کرو چاہو تو گناہ سے بچو، چاہو تو نیکیاں کرو اور چاہو تو نیکیاں کرنے سے انکار کرو اور جب تم اپنے اختیار سے نیکیاں کرو گے تو خدا تعالیٰ دوڑتا ہوا آئے گا اور تمہیں اپنے دامن رحمت میں لپیٹ لے گا ورنہ تم خود ذمہ دار ہو اور خدا تعالیٰ پر یا کسی انسان پر اس کا الزام نہیں دھرا جا سکتا۔ پس اپنی اس آزادی اور اس اختیار کی قدر کو پہچانو جو خدا تعالیٰ نے اپنی تقدیر اور قضا و قدر میں تمہارے لئے مہیا کیا ہے اور خدا تعالیٰ کی نعمتوں کے حصول کے لئے ہمیشہ کوشاں رہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا کرے اور خدا سے ہمیں مقبول اعمال کی توفیق ملے اور وہ اپنی نعمتوں سے ہمیں نوازے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۵؍جون ۱۹۷۶ء صفحہ ۲ تا ۵)